© rasailojaraid.com



لیکن بدقسمتی سے حکمراں طبقہ کے ادبی ذوق کی ایک بڑی خرابی یہ رہی ہے کہ وہ انھیں کے خصوصی اختیارات کے تحفظ یا ان کی مفاد پرستی اور ان کی شان وشوکت کے لیے استعمال ہوا ہے موجودہ دور میں اس وقت کے امراء و روساء کی جگہ اعلیٰ طبقہ کے امیر اور خوشحال افراد نے لی ہے اور ان کے دولت کی فراوانی ہی موجودہ دور کے ادبی ذوق کی سربراہ نظر آتی ہے۔

مثلاً آج اسٹیج پر تمام تر توجہ سینوں اور ملبوسات، میک اپ اور روشنی کے بدلتے ہوئے زاویوں پر مرکوز رہتی ہے فن اور کردار نگاری پر وہ توجہ نہیں دی جاتی۔ نیز ظاہر اور باطن میں بھی ایک فرق نمایاں ہے چنانچہ خوشنما اور خوبصورت کتابی جلدوں میں اکثر خس وخاشاک ہی پڑھنے کو ملتا ہے۔ چند انفرادی مثالوں کو چھوڑ کر نئے دور کی بیشتر تصنیفات ان اعلیٰ اقدار اور صفات سے عاری ہیں جو ماضی میں اعلیٰ ادب سے وابستہ رہی ہیں نہ نئی تخلیقات میں وہ چابکدستی اور خیالات کی گہرائی اور اعلیٰ اقدار ملتی ہے تو شدت سے یہ احساس ہوتا ہے کہ شاید مدتوں کا متوازن ذوق اپنے ہموار کو کھو چکا ہے۔

ادب میں اس کم مائیگی کے کئی اسباب ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ قوی سبب عوام کا بدلا ہوا ادبی ذوق ہی ہے موجودہ ادبی ذوق کے وجوہ تلاش کرنا مشکل نہیں ہے۔ ہمارے خصائل کی تشکیل سماج سے ہوتی ہے۔ موجودہ انتشار جس میں تعلیمی انتشار بھی شامل ہے اور رہن سہن کے تیزی سے بدلتے ہوئے طریقے جن میں ایک ذہنی تعیش اور عیش پسند زندگی کو بھی دخل ہے موجودہ تنزلی کے لئے ذمہ دار عناصر کہے جا سکتے ہیں۔

آج کا نوجوان سہل نگاری، فراغ، اور تخیلی دنیا کا شکار ہے اور اس کا ہر عمل ایک راہ روی اور الجھن سے عبارت ہے اس کا ذہن کسی بھی سنجیدہ کوشش پر مائل نہیں ہوتا ان تمام امور کا نتیجہ ادبی ذوق کی گراوٹ میں نمودار ہو گیا ہے۔

چنانچہ مبہم اور یکساں ادب کی پیداوار جس کثرت سے آج ہے اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی اس کا براہ راست اثر یہ پڑا کہ موجودہ نقاد کو بھی کسی ادبی تخلیقات کے انبار میں ادبی محاسن اور عیوب ڈھونڈنے پڑے اور وہ بھی ادبی ذوق کے انتشار کی مزاحمت نہ کر سکا۔ چنانچہ آج کے نقاد بہت سی ایسی ہی تخلیقات کو سراہنے پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مجبور ہو گئے ہیں۔ لیکن تنقید کے عوامی ذوق سے ہم قدم ہونے کی یہ مثال نہ نئی ہے اور نہ ہی اسے کسی طور پر خطرناک کہا جا سکتا ہے سماج میں بدلتے ہوئے طاقتور رجحانات ایک ایسی ہمہ گیری رکھتے ہیں جن سے گریز ممکن نہیں ہے۔ تاہم ادبی ذوق وقت کے دھارے کے مانند تغیر پذیر ہے اور موجودہ ادبی ذوق اور تنقید میں اس کا وجود موجودہ ادبی دور کے ایک نمایاں شان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جب یہ دور کروٹ لے گا اور موجودہ انتشار ایک نئے طور کے زیادہ دیر پا دور کو جگہ دیگا تو ادبی ذوق بھی یقیناً ان اثرات کو قبول کر کے نئے اور اعلیٰ اصولوں کو جنم دے گا۔

چنانچہ ادبی ذوق کو ایک نظر نہ آنے والے رشتہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جو فن اور تنقید میں توازن لاتا ہے اس کا تخلیقی فن اور تنقید پر گہرا اثر لازمی ہے عموماً تنقید اور فن مختلف ادبی ذوق کے حامل نہیں ہو سکتیں اسی کے ساتھ ادبی ذوق کی کوئی معین یا مستقل صورت نہیں ہے چنانچہ اسے ہر دور کی سماجی زندگی اور رہن سہن کے طریقے متاثر کریں گے۔

---

## المصادر والمراجع


۱ - اصول النقد الادبی ——— احمد الشائب

۲ - النقد الادبی ——— احمد امین

۳ - تاریخ نقد ادب ——— محمد فضل الرحمٰن

۴ - تنقیدی نظریات ——— احتشام حسین ندوی

۵ - ماہنامہ "ادیب" ——— علی گڑھ

۶ - تاریخ نقد عربی ——— اردو ترجمہ


---

## بقیہ : ابراہیم طوقان

ابراہیم بہت متاثر ہوئے اور "غادۃ اشبیلیۃ" کے عنوان سے ایک قصیدہ لکھا۔ اور اس سے رقص و سرود کی محفلوں میں مستقل حاضر ہوتے رہے۔ یہ ان کے خوبصورت دن تھے پھر بیروت سے القدس کے "مدرسہ رشیدیہ" میں آگئے جہاں تین مہینے تک تدریسی خدمت انجام دی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



# ابراہیم طوقان: فلسطین کے ممتاز انقلابی شاعر

قسط نمبر ۱

حقانی القاسمی ۹۔۶ حبیب ہال مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

نابلس، اسرائیل کا پرانا شہر ہے جو قدیم زمانے میں شکیم یا مابارشا کے نام سے جانا جاتا تھا۔ بادشاہ وسپازیانوس نے پہلی صدی عیسوی کے دوران نئے طور پر اس تباہ شدہ شہر کی تعمیر کر کے "فلاویانیاپولیس" نام رکھا جو بعد میں "نابلس" بن گیا۔ یہودیوں کے یہاں اس شہر کا بڑا احترام ہے کہ یہیں وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت ابراہیم نے حضرت اسحاق کو ذبح کیا تھا۔ اور سامری بھی اس شہر اور پہاڑ کو مقدس مانتے ہیں اور "کرزیم" نامی پہاڑ کی طرف رخ کر کے عبادت بھی کرتے ہیں۔

اسی شہر میں جو برطانوی انتداب کے زمانے میں "جبل النار" کے نام سے جانا جاتا تھا، ۱۹۰۵ء کو ابراہیم طوقان پیدا ہوئے یہاں کے لوگوں کو علم و ادب سے خصوصی دلچسپی رہی ہے اس لیے تعلیم یافتہ طبقے کی وجہ سے یہ شہر خاص اہمیت کا حامل رہا ہے، اسے فلسطینی مجاہدین کے پناہ گاہ اور مزاحمتی سرگرمیوں کے مرکز کی حیثیت بھی حاصل رہی ہے۔ مگر یہاں کی معاشرتی پابندیوں اور سماجی قدامت پسندیوں کی وجہ سے نوجوان تعلیم یافتہ طبقے نے ہجرت کر کے نسبتہً آزاد شہروں میں قیام پذیری کو ترجیح دی۔ مگر ابراہیم طوقان کا خانوادہ اس دقیانوسی معاشرے سے قدرے مختلف اور آزاد پسند تھا۔ ان کے والد عبدالفتاح آغا کشادہ ذہن اور روشن فکر و نظر کے حامل تھے اور ان کی والدہ فوزیہ بنت عسقلان بھی انتہائی ذہین تھیں۔ وہ نئی نسل کی ضروریات اور ذہنی تقاضوں سے بخوبی واقف تھیں۔ اس لئے انہوں نے بہتر انداز سے بچوں کی تربیت کی اور ابتدا سے ہی شجاعتی قصے کہانیاں اپنے بچوں کو سنایا کرتی تھیں۔ ان کے بعد جد امجد داؤد آغا شاعر تھے "زجل" پر وافر دست گاہ تھی جس کا گہرا اثر ابراہیم کی شاعری پر بھی ہے۔

© rasailojaraid.com